© rasailojaraid.com

علمائے ہند کا سیاسی موقف

(۳)

(سعید احمد اکبر آبادی ایم ۔ اے)

اگر یہ صحیح ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو حضرت شیخ الہندؒ کی سیاسیات میں جس جذبہ اور جس فکر و نظر کے حامل تھے اس کا اندازہ حضرت مرحوم کے تلامذہ وصحبت یافتگانِ خصوصی کے فکر و نظر اور ان کے عملی کارناموں سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا سندھی اور حضرت شاہ صاحب کا اجمالی تذکرہ ہو چکا ہے۔ اب حضرت مرحوم کے ایک اور نہایت ہی مخصوص و مقرب اور شریکِ جلوت و خلوت تلمیذِ رشید کے افکار پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔

شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد المدنی | یوں تو حضرت شیخ الہند کی ذاتِ ستودہ صفات ایک پارس کی پتھری تھی کہ جو بشرط صلاحیتِ ذاتی و استعدادِ فطری اس کے فیضِ وافر سے بہرہ یاب ہوا کھرا سونا بن گیا اور آج ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں اس ابرِ کرم کی عطا گستری کا فیض نہ پہنچا ہو لیکن جن حضرات نے حضرت شیخ الہند کی زندگی میں آپ کے دستِ راست کی حیثیت سے کام کیا اور آپ کی وفات کے بعد ہمہ تن اس مقصدِ اعلیٰ دار رفع کی تکمیل میں لگ گئے ان میں مذکورہ بالا دو حضرات کے علاوہ ایک نام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کا بھی ہے، جہاں تک لینے استاد سے اختصاص اور تقرب کا تعلق ہے ان تینوں میں کوئی خط امتیاز نہیں کھینچا جا سکتا البتہ اپنی اپنی فطری صلاحیتوں اور ذاتی استعداد و قابلیت اور شخصی ملکات و کمالات کے اعتبار سے ہر ایک کا مقام جدا جدا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا کے فضل و کرم سے مولانا مدنی اب تک ہم میں موجود ہیں اور آپ کے افکار و نظریات اور آپ کے عمل کا چرچا آج ہر شخص کی زبانوں پر ہے ملک کا کوئی مسلمان اور کوئی لکھا پڑھا ہندو اور سکھ ایسا نہیں ہے جس کو یہ نہ معلوم ہو کہ مولانا کیا ہیں مولانا نے جمعیۃ علمائے ہند کے پلیٹ فارم سے کیا کیا؟ اس کا ذکر تو بہت بعد میں آئے گا اس وقت سوال صرف ملکی اور وطنی سیاست میں نقطۂ نظر اور مسلک کا ہے جس سے حضرت شیخ الہند کی تحریک کی اصل روح پر روشنی پڑے اور یہ واضح ہو کہ سیاست کے میدان میں ہندوؤں سے بھی قبل آنے کی صورت میں علماء ہند کا مطمح نظر فرقہ وارانہ تھا یا جمہوری؟ ان کی جدوجہد صرف مسلمانوں کے لئے تھی یا سب کے لئے وہ ہندوؤں کے دوست تھے یا دشمن؟ پس جہاں تک مولانا مدنی کی ذات کا تعلق ہے۔ اس کے جواب میں کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مولانا کی تقریریں۔ خطبات اور تحریریں بکثرت موجود ہیں۔ اُن سب کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر بن جائے۔

قومیت متحدہ یوں تو گذشتہ دو سو برس کی تاریخ میں آپ کو کوئی عالم ایسا نہیں ملے گا جو ہندو اور مسلمانوں کے اتحاد پر زور نہ دیتا ہو اور اس کی اہمیت و ضرورت کا قائل نہ ہو۔ اور اس کے برخلاف انگریزوں کو پردیسی اور بعید الوطن قرار دے کر ہندوستان پر ان کی حکومت سے بیزار نہ ہو۔ لیکن جب تک مسلم لیگ نے زور نہ پکڑا تھا قومیت کا مسئلہ نکھرا نہ تھا۔ نہ ہندوؤں میں اس کا چرچا تھا اور نہ مسلمانوں میں البتہ عام اصطلاح میں قومیت کے لفظ سے مختلف معنی مراد لیے جاتے تھے کبھی اس سے مراد مذہب ہوتا تھا اور کبھی کوئی نسلی یا خاندانی امتیاز۔ مثلاً یہ شخص فلاں قوم سے ہے،، بولتے تھے تو کبھی اس سے مراد یہ ہوتی تھی کہ یہ ہندو ہے یا مسلمان۔ اور کبھی یہ کہ مسلمان ہو کر شیخ ہے یا پٹھان یا ہندو ہو کر برہمن ہے یا کائستھ بہر حال ہندو مسلمان دونوں بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے اس کی تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہی نہ تھی کہ کہ دونوں میں قومیت بھی مشترک ہے یا نہیں اشتراکِ عمل کے لیے یہی کافی تھا کہ دونوں ایک ہی ملک کے رہنے بسنے والے ہیں۔ ایک بولی بولتے ہیں ملے جلے رہتے ہیں ہم رنگ روپ خط و خال ایک سے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملکی اور وطنی ضرورتیں یکساں ہیں ایک کنوئیں یا ایک دریا سے پانی پیتے اور ایک ہی کھیت کا غلہ اور اناج کھاتے ہیں۔

لیکن جب مسلم لیگ نے ہندو اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے اور اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے دو قوموں کا نظریہ ایجاد کیا تو مولانا مدنی اس کا جواب دینے کے لئے پوری قوت سے میدان میں آگئے آج تک بہت سے لوگوں کے کانوں میں مولانا کا یہ فقرہ جو انھوں نے دہلی کے ایک بڑے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا گونج رہا ہوگا کہ "قومیت مذہب سے نہیں ملک سے بنتی ہے" اس فقرہ کا اخبارات میں شائع ہونا تھا کہ لیگی اخبارات اور مصنفین و اہل قلم نے مولانا پر سب و شتم اور طعن و تشنیع کا ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ وہ سب کچھ کیا جو یزید کے ساتھیوں نے جگر گوشۂ رسول حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن مولانا ایک پتھر کی چٹان تھے جس بات کو حق سمجھتے تھے جاہل مسلمانوں کی ژاژ خائی کے ڈر سے وہ کیوں کر اس کا انکار کر سکتے تھے چنانچہ اس کے بعد آپ نے "قومیت متحدہ اور اسلام" کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا اور اس میں قرآن مجید کی آیات، احادیث نبوی، آثار صحابہ اور لغت سے یہ ثابت کیا کہ اختلاف مذہب کے باوجود جو لوگ ایک ہی ملک کے باشندے ہوں وہ سب ایک قوم ہیں اور اس بنا پر لیگ کا یہ دعویٰ کہ ہندو اور مسلمانوں کا مذہب چونکہ جدا جدا ہے اس لئے یہ دونوں دو الگ الگ قومیں ہیں بالکل غلط لغو اور بے بنیاد ہے پھر آپ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے بعد آپ کی کوئی تقریر یا کوئی خطبہ ایسا نہیں جس میں پوری قوت اور بلند آہنگی کے ساتھ قومیت متحدہ کی حمایت اور دو قوموں کے نظریہ کی مخالفت نہ کی گئی ہو۔ علاوہ بریں مولانا ایک عرصۂ دراز سے کانگرس کے ممبر ہیں۔ کئی سال تک یو۔پی کانگرس کمیٹی کے وائس پریذیڈنٹ رہے ہیں اور اب چند سالوں سے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے بھی ممبر ہیں اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ مولانا کانگرس کے اصول سے اتفاق رکھتے ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اپنے اس "اتفاق" کا عملی مظاہرہ ان لاکھوں ہندوؤں اور مسلمانوں سے کہیں زیادہ "شاندار طریقہ پر کیا ہے جو کانگرس کے ممبر ہونے کے باوجود عملاً اس کے اصول کی پروا نہیں کرتے اور یا جنہوں نے کانگرس کا ممبر بن کر کونسلوں یا اسمبلیوں کی ممبری یا کسی سرکاری عہدہ یا کسی اور مالی منفعت کی شکل میں کسی قسم کا کوئی فائدہ حاصل کیا ہے پھر کیا کوئی ایک شخص بھی جو مولانا کے تصلب فی الدین و جرأتِ اعلانِ حق بیباکی اور بے خوفی سے واقف ہے ایک لمحہ کے لئے بھی تصور کر سکتا ہے کہ مولانا کا یہ عمل تحریک شیخ الہند کی اسپرٹ کے خلاف ہے جو شخص برطانیہ عظمیٰ کی بے پناہ طاقت و قوت سے مرعوب نہ ہوا ہو کیا وہ ہندوؤں کی خوشامد کر سکتا ہے۔ کیا وہ اپنے استاد کی تعلیم کے برخلاف کسی لالچ یا کسی فریب میں مبتلا ہو کر کوئی غلط راستہ اختیار کر سکتا ہے؟ کیا کوئی اسے باور کر سکتا ہے کہ مولانا جب قومیت متحدہ کا ادعا کرتے ہیں تو یہ صرف ایک وقتی مصلحت اور تقاضا ہے؟[1]

غایت بلند نظری | مولانا کی بے لوثی۔ بلند نظری اور انتہائی عالی ہمتی جس سے ہندو مسلمان ہر ایک کو سبق لینا چاہئے اس کا ثبوت اس سے بڑھکر اور کیا ہوگا کہ ۱۹۳۱ء میں جب لکھنؤ میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس کا اجلاس ہوا اور اس کے بعد یہ سب لوگ آل پارٹیز کانفرنس کے نمائندوں سے فرقہ وارا

---

[1] میں مولانا کی سوانح عمری نہیں لکھ رہا ہوں لیکن ایک چشم دید واقعہ کا ذکر کئے بغیر رہا نہیں جاتا۔ غالباً ۴۲ء کا واقعہ ہے کہ اکالگڑہ ضلع منٹگمری کی انجمن اسلامیہ نے اپنے جلسہ میں تقریر کرنے کے لئے راقم الحروف کو بلایا تھا حضرت مولانا مدنی بھی تشریف لائے تھے شام کے وقت میں قیام گاہ پر آیا تو دیکھا بہتیرے مسلمانوں کے ساتھ چند سکھ بھی وہاں پر موجود ہیں۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سکھ حضرات مولانا کا نام اور تعریف تو پہلے سے سنے ہوئے تھے۔ مگر اب مولانا کو یہاں بچشم خود دیکھا تو غایت عقیدت و ارادت سے مکان پر چلے آئے اور درخواست کر رہے ہیں کہ مولانا ان کو بیعت فرمالیں انکے علاوہ جو مسلمان آئے تھے وہ بھی بیعت ہونے کے لئے آتے تھے یہ سنکر مجھ کو فوراً اقبال مرحوم کا شعر یاد آگیا۔ ؎

سجدۂ تو بر آورد از دلِ کافراں خروش   اے کہ دراز ترکنی پیشِ کساں نماز را

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھوتہ پر گفتگو کرنے کے لئے الہ آباد آئے یہاں چار روز تک باہم گفتگو ہوتی رہی مگر پھر بھی کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا مولانا مدنی بھی اس جلسہ میں شریک تھے آپ چاروں دن خاموش رہے آخر ایک صاحب نے مولانا سے کہا کہ حضرت! آپ بھی تو کچھ فرمائیے کہ ان معاملات کے بارہ میں جمعیۃ علمائے ہند کی رائے کیا ہے؟ مولانا نے بڑے سکون اور اطمینان سے فرمایا "ہمارا تو ایک مطالبہ ہے جو ہم کانگرس کو دے چکے وہ یہ کہ ملک کو اختیارات ملنے پر مسلمانوں کو اپنے مذہبی معاملات طے کرنے کے لئے قاضی مقرر کرنے کا حق عطا کیا جائے اور ہم نے کہہ دیا ہے کہ جب تک ملک کو آزادی حاصل نہ ہو ہم خاموشی کے ساتھ آزادی کی جنگ میں شریک رہیں گے البتہ آزادی ملنے پر ہمیں یہ حق نہ ملا تو پھر اس وقت اگر ہم میں زرت ہوگی تو ہم اسے منوالیں گے" مولانا سید طفیل احمد جو خود اس جلسہ میں غالباً شریک تھے۔ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اپنے اور ارباب جلسہ کے تاثرات اس طرح ظاہر کرتے ہیں"

"اس وقت صاف معلوم ہوتا تھا کہ مولانا موصوف اور ان کی جمعیت دوسری سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں کس قدر بلند سطح پر تھی۔ انھیں علماء کی نسبت بالعموم کہا جاتا ہے کہ وہ تنگ خیال اور ترقی کی راہ میں مزاحم ہوتے ہیں ان کی نظر صرف مقدس مقامات اور اسلامی ممالک ہی تک محدود رہتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مذہبی اور قومی مسائل پر غور کرتے کرتے اب ان کا دائرۂ نظر اس قدر وسیع ہو گیا ہے کہ تمام دنیا کے ملکی حالات اور سیاسی مسائل ان کے پیش نظر رہتے ہیں اور قومی و ملکی مفاد کے پیش نظر وہ ہر قسم کے مصائب و آلام اٹھانے کو تیار ہو جاتے ہیں اگر قربانیاں دیتے دیتے یہ ادارہ خدانخواستہ ختم بھی ہو جائے تو اس کی راکھ سے ایسے ایسے سورما اٹھیں گے جو انجام کار ملک کو آزاد کرائیں گے"

(مسلمانوں کا روشن مستقبل پانچواں اڈیشن ص ۵۸۵)

تحریک شیخ الہند اسلامی تھی یا ہندوستانی | بہرحال مولانا سندھی، حضرت شاہ صاحب اور مولانا مدنی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیالات و افکار اور ان کے سیاسی طرزِ عمل اور ان کی جماعتی جد و جہد کی روشنی میں اب اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ حضرت شیخ الہند کی تحریک کا مقصد جہاں ایک بین الاقوامی تصورِ سیاسی کی بنا پر برطانوی شہنشاہیت کو مفلوج و ازکار رفتہ بنا کر مشرقِ وسطیٰ کی زبوں حال حکومتوں کو اس کی دستبرد سے بچانا تھا ساتھ ہی ایک سچے اور مخلص محب وطن کے نقطۂ نظر سے اپنے ملک اور وطن کو (جسے مولانا مدنی اپنی تحریروں میں "پیارے ہندوستان" کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور جس کے محاسن و فضائل میں انھوں نے اپنے ایک خطبہ میں مسلسل کئی صفحات لکھے ہیں) آزاد کر کے یہاں جمہوری نیشنل قومی اور وطنی حکومت قائم کرنا بھی اس کا مقصدِ عظیم تھا۔ اس حیثیت سے اس تحریک کا دائرہ اثر صرف ہندوستان تک محدود نہیں رہتا بلکہ مشرقِ وسطیٰ اور ان کے ذریعہ سے تقریباً تمام ایشیا بھی اس دائرہ میں آجاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تحریک اصطلاحاً اسلامی تھی یا ہندوستانی اور وطنی جواب یہ ہے کہ یہ وطنی تحریک بھی تھی اور اسلامی بھی۔ وطنی اس لیے کہ اس کا تعلق وطن سے تھا۔ ملک کو آزاد کرانے اور اس کی حریت و استقلال سے تھا اور اسلامی اس لئے کہ مسلمان کا کوئی کام غیر اسلامی نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اس کے خالص دنیوی کام بھی مثلاً کھانا پینا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا۔ روزی کمانا اولاد کے ساتھ بیٹھکر ہنسی مذاق کرنا، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردی غمگساری اور شرافت و انسانیت کا معاملہ کرنا۔ حد یہ ہے کہ شادی بیاہ کرنا یہ سب کام اگر خدا کی خوشنودی کے لیے اور اس کے حکم کی تعمیل کی نیت اور ارادہ سے ہوں اور اسلامی احکام و تعلیمات کے مطابق ہوں تو یہ اسلامی کام ہیں اور ان پر اس کو ایسا ہی ثواب ملے گا جیسا کہ عبادات کی بجا آوری پر ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا مذہب عین سیاست ہے اور سیاست عین مذہب ان دونوں میں تفریق ناممکن ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہب اور سیاست | بعض مغربی تعلیم یافتہ نوجوان علماء پر اعتراض کرتے ہیں کہ علماء مذہب کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چلتے۔ اور واقعہ یہی ہے تو پھر وہ آج کل کی سیاسیات میں کس طرح کوئی ترقی پسندانہ قدم کر سکتے ہیں۔ جواب میں گذارش یہ ہے کہ قطع نظر اس سے کہ اسلام کتنا مکمل اور جامع دینِ فطرت ہے اگر علماء پر یہ اعتراض صحیح ہے کہ وہ مذہب کے بغیر لقمہ بھی نہیں توڑتے تو علماء کے ساتھ اس جرم میں برابر کے شریک ملک کے سب سے بڑے لیڈر اور ہند کے باپو گاندھی جی بھی ہیں کیونکہ ان کا حال بھی یہی تھا کہ مذہب اور اپنے یقین کے مطابق خدا کے حکم کے بغیر وہ کوئی نجی یا قومی اور سیاسی کام نہیں کرتے تھے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ جس طرح پچھلے دنوں اپنی خواہشاتِ نفس کو تسکین دینے کی غرض سے کہنے والے کہتے تھے کہ علماء کو سیاست نہیں آتی۔ وہ اپنے تقویٰ۔ طہارت۔ پاک باطنی اور حسنِ کردار کے باعث فرشتہ بن سکتے ہیں۔ لیکن سیاست داں نہیں ہو سکتے۔ ٹھیک اسی طرح گاندھی جی کی اعلیٰ روحانیت اور اُن کی غایت درجہ مذہبیت کے باعث یورپ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو ان کا مذاق اُڑاتے تھے اور جو کبھی ان کے اقوال میں یا قول وفعل میں تضاد ثابت کرتے اور کبھی ان کے لباس پر طنز کرتے تھے۔ غیر تو پھر بھی غیر ہیں۔ ان سے کیا شکوہ اور کیا گلہ! حد یہ ہے کہ خود ہندوستان میں اچھے خاصے تعلیم یافتہ اور باخبر حضرات کا ایک ایسا گروہ موجود ہے جو گاندھی جی کو محض ان کی روحانیت اور مذہبیت کی وجہ سے سیاست داں تسلیم نہیں کرتا۔ چنانچہ ہندوستان کے مشہور اخبار نویس مسٹر چنتامنی اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

وہ مہاتما گاندھی موجودہ حالت سے کہیں زیادہ بلند مرتبہ پر ہوتے اگر وہ سیاسیات میں نہ پڑے ہوتے مہاتما جی پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگرچہ وہ ان سب لوگوں سے جنہوں نے سو برس کی مدت میں ملک کی سیاسی خدمات انجام دی ہیں سب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑے شخص ہیں تاہم وہ ملک کے سب سے زیادہ دانشمند رہنما نہیں ہیں مسٹر جے. اے اسپنڈر نے ڈسرائیلی کی نسبت کہا ہے کہ وہ فطرتاً باطینت اور مقدرات کے قائل آدمی تھے یہ قول بہت حد تک مہاتما جی پر صادق آتا ہے یہ بدقسمتی ہے کہ ایسے بلند روحانی مدارج رکھنے والوں کے لئے سیاسیات نہیں بنائے گئے اور نہ سیاسیات ان کے لیے مناسب ہیں۔

(Indian Politics Since the Mutiny اردو ترجمہ ص ۱۷۷)

مذہب سے بیر یا گاندھی جی کی سیاسی پالیسی سے اختلاف رکھنے والے اپنے یا در ہواد عادی کے ثبوت میں خواہ ان کی روحانیت اور مذہبیت پر کتنا ہی لعن طعن کریں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا کے نزدیک ہندوستان کی جنگ آزادی کا اصل ہیرو کون ہے؟ ہندوستان کی غلامی کی زنجیریں کس کی سیاست اور کس کی رہبری نے پارہ پارہ کیں؟ پھر ہندوستان آزاد ہوتے ہی فرقہ وارانہ بغض وعناد کے باعث جن خطرات میں گھر گیا تھا ہندوستان کو ان خطرات سے کس نے نکالا؟ اور اب اگر ہندوستان ترقی کرے گا اور پھلے پھولے اور خوش حال رہے گا تو کس کے نقش قدم پر چل کر اور کس کی بتائی ہوئی راہ پر پڑ کر؟ ان سب سوالات کا جواب صرف ایک ہی ہے دوسرا نہیں ہوسکتا یعنی یہ کہ گاندھی جی!

اور پھر ہندوستان کے موجودہ گورنر جنرل شری راجگوپال آچاریہ کو دیکھئے تو یہ بھی کیا کم ہیں؟ ان کا کوئی پیغام۔ کوئی تقریر اور کوئی تحریر ایسی نہیں ہوتی جس میں بار بار خدا کا ذکر۔ مذہبی تعلیمات اور روحانی اخلاق کا تذکرہ نہ آتا ہو اور اس طرح سیاست کے پیچیدہ سے پیچیدہ مبحث پر اخلاقیات مذہبی کی روشنی میں غور نہ کیا گیا ہو لیکن کون نہیں جانتا کہ یہ ایک کھدر کی دھوتی اور کرتہ میں ملبوس نظر آنے والا انڈین یونین کا سب سے بڑا حاکم ہند اور پاکستان دونوں کا سب سے بڑا پالیسیٹیکل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قابلیت کا مالک اور سب سے بڑا سیاست داں اور مدبر ہے پنڈت جواہر لال نہرو ہندکے کتنے ہی بڑے ہر دلعزیز اور مقبول دلپسندیدہ لیڈر ہوں لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اگر گاندھی جی کا دستِ شفقت ان کے سر پر نہ ہوتا اور وہ مذہب سے متعلق اپنے ذاتی خیالات کو اپنے ہی تک محدود رکھ کر گاندھی جی کی رہنمائی میں نہ چلتے تو وہ ہرگز یہ مقامِ رفیع و بلند حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ بس جو چیز گاندھی جی شری راجگوپال آچاریہ جی کے حق میں ان کی سیاسی لیڈرشپ کے لئے عیب یا نقص نہ ہوسکی وہ علماء کے لئے کیوں کر نقص اور عیب کا سبب بن سکتی ہے

علماء کی نسبت اس طرح کی باتیں سن کر بے ساختہ حضرت علیؓ کا واقعہ یاد آجاتا ہے لوگ عام طور پر آپ کے متعلق بھی اسی طرح کی باتیں کہتے تھے آپ کو اس کی اطلاع ہوتی تو ایک روز خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

"تم کہتے ہو کہ علی کو سیاست نہیں آتی۔ ہاں ٹھیک کہتے ہو۔ بات یہ ہے کہ لوگ جس کی اطاعت نہیں کرتے اس کی نسبت اسی قسم کی باتیں کہا کرتے ہیں لَا سِیَاسَۃَ لِمَنْ طَاعَۃَ لَہٗ" میرا حال بھی یہی ہے میں تم سے سردیوں کے موسم میں اہل شام سے جنگ کرنے کے لئے کہتا ہوں تو کہتے ہو حضرت! بڑی سخت سردی پڑ رہی ہے یہ کم ہوجائے تو پھر جنگ کریں گے پھر میں گرمیوں میں شام کے لوگوں سے جنگ کرنے کو کہتا ہوں تو اس وقت بھی تم ایسی ہی ٹال مٹول کی بات کرجاتے ہو اور کہتے ہو سخت لو چل رہی ہے دھوپ میں بڑی تمازت ہے۔ یہ کم ہوجائے تو جنگ کریں گے۔ بس بات تو تم میری مانتے نہیں ہو اور کہتے ہو کہ علی کو سیاست نہیں آتی"

اور ایک حضرت علیؓ پر کیا موقوف ہے۔ ان کے فرزند ارجمند نے حق کے لئے مظلومیت کے ساتھ جان دیدی اور کہنے والوں نے یہی کہا کہ امام حسینؓ سب کچھ تھے۔ مگر سیاست کے مردِ میدان نہیں تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر سیاست نام ہے اپنے مقصد کے لئے ہر قسم کے جائز ناجائز بڑے اور بھلے ذرائع کو اختیار کرنے کا تو یہ سیاست "شیشہ گران مغرب" کو مبارک ہو یا ان کو مبارک ہو جو اسلام سے دور کا بھی واسطہ اور تعلق نہ رکھنے کے باوجود اسلام کی حکومت اور قرآنی بادشاہت کا نام لے کر خدا اور قرآن کے ساتھ تمسخر کرنے کی رندانہ جرأت رکھتے ہوں اور جنہوں نے دین قیم کے مقدس نام کو اپنے اغراض واہوا کا آلۂ کار بنالیا ہو بہر حال علمار کی نسبت ہمیں صاف لفظوں میں اقرار کرنا چاہیئے کہ انھیں ایسی سیاست نہیں آتی اور ایک انھیں کو کیا دنیا کے کسی شریف خود دار، غیر تمند، باحیا اور بااصول انسان کو ایسی سیاست نہیں آسکتی۔

ہیگل اور کارل مارکس کی شریعت پر اندھا دھند ایمان لانے والے خواہ کچھ کہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک چینی صاحب قلم لن یوٹن (Lin Yutang) کے قول کے مطابق خدا کا اعتقاد ہندوستان کی رگ رگ میں سمایا ہوا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ہندوستان کا عیب نہیں ہنر ہے۔ نقص نہیں فخر ہے۔ عبرت کی آنکھ کھولنے کے لئے موجودہ یورپ کی سیاست بہت کافی ہیں۔ وہاں علم، فرزانگی، ذہانت اور تجربہ وشعور سیاسی ان میں سے کس چیز کی کمی ہے۔ پھر دنیا میں امن واماں قایم رکھنے کے لئے جو مادی وسائل وذرائع ہو سکتے ہیں ان میں سے کون سی چیز ہے جس کو یہاں آزما کر نہ دیکھ لیا گیا ہو لیکن با ایں ہمہ ان سب کا نتیجہ کیا ہے؟ عالمگیر امن قایم رکھنے کی ہر اجتماعی کوشش ایک ہولناک ترین جنگ کا اعلان ثابت ہو رہی ہے۔ اور مغرب کی تمام ذہنی اور دماغی سربلندیاں انسانیت کے لئے سب سے بڑا خطرہ بن کر رہ گئی ہیں کیوں؟ محض اس لیے کہ دنیا کی پانچ عظیم الشان حکومتوں کی سیاست محض سیاست یا اپنے مادی اغراض کے لئے ہے اور اخلاقیات سے جن کا سرچشمہ مذہب اور خدا پر ایمان ہے۔ ان سے اس کا کوئی تعلق نہیں یہی وہ نکتہ ہے جس کو شاعر مشرق اقبال نے اس طرح پر بیان کیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

پس مادی طاقت وقوت کے ساتھ روحانیت ۔ مذہبیت اور بے غل وغش اخلاقیات کا امتزاج جو ہندوستان کی آب وگل کا اصلی جوہر ہے۔ اس ملک کا ایسا فخر اور ایک ایسا خصوصی امتیاز ہے جو نہ صرف ایشیا کے لئے بلکہ تمام دنیا کے لئے ایک مینارۂ روشنی کا کام دے سکتا ہے۔ گاندھی جی اور حضرت شیخ الہند عصرِ جدید کی دو ایسی عظیم الشان اور بلند مرتبت شخصیتیں ہیں جن کا جواب صدیوں میں بھی پیدا نہیں ہو سکتا اور آج دنیا اپنے بڑے بڑے مفکروں۔ فلسفیوں اور روحانی پیشواؤں سمیت ان کی نظیر پیش کرنے سے یکسر عاجز ہے۔ پس غور کیجئے اگر آج سب ہندو مذہب اور سیاسیات میں گاندھی جی کے نقش قدم پر چلنے کا عزم صمیم کرلیں اور اسی طرح اس ملک کے مسلمان مذہب اور سیاست میں حضرت شیخ الہند کا مکمل اتباع اور پیروی کر کے اس شعر کا مصداق بن جائیں۔

درکفے جامِ شریعت درکفے سندانِ عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

تو کون کہہ سکتا ہے کہ افلاس وغربت کا مارا اور فرقہ وارانہ بغض وعناد کی بادِ سموم سے مرجھایا ہوا ملک باغِ ارم نہ بن جائیگا۔ اور اقوام عالم کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ پیش نہ کرے گا آج بدقسمتی سے ہمارے درمیان نہ گاندھی جی ہیں اور نہ حضرت شیخ الہند لیکن ان دونوں بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے والے موجود ہیں مولانا حسین احمد مدنی اور پنڈت جواہر لال نہرو دونوں ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں تو دونوں کے دل ایک دوسرے کی محبت اور عزت واحترام سے پُر ہوتے ہیں شرافت ان کی بلائیں لیتی ہے اور انسانیت ان پر عقیدت وارادت کے پھول نچھاور کرتی ہے۔

جنگ آزادی کی ایک نمایاں خصوصیت اس لائن پر ہندوستان کے مستقبل کا نقشہ بنانے سے قبل آپ ذرا ماضی پر ایک نگاہ ڈالئے ہندوستان نے حکومتِ وقت کے خلاف بھی جنگ آزادی لڑی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا سر رشتہ چونکہ اخلاقیات کے ساتھ وابستہ تھا اس بنا پر یہ جنگ جہاں کامیاب ہوئی تو دوسری طرف اس نے ہندوستان کی اخلاقی عظمت و برتری کا سکہ بھی دوسرے ملکوں پر قایم کر دیا، گاندھی جی اس جنگ کی رہنمائی کرتے وقت جو قدم اُٹھاتے تھے تو پہلے اپنے "دل کی اندرونی آواز" جو ان کی اخلاقی حِس کی آواز ہوتی تھی اس سے مشورہ کر لیتے تھے۔ اسی طرح علماء جب اس راہ میں قدم رکھتے تھے تو وہ بھی اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں رکھتے تھے اور چونکہ بنیادی اخلاقیات سب مذاہب میں تقریبًا یکساں ہیں اس بنا پر دونوں قدم بقدم اور دوش بدوش چلتے تھے۔ چنانچہ یہ جنگ لڑنے کے لئے ترکِ موالات کا حربہ تجویز ہوا تو پانسو علماء نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کو اختیار کرنے کا فتویٰ دیا۔ سودیشی اور چرخہ کی تحریک چلی تو مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے شیخ جلال الدین سیوطی کا عربی رسالہ الاجر الجزیل فی الغزل جس میں چرخہ کاتنے کی فضیلت اور سودیشی کی ضرورت ثابت کی گئی ہے اس کو مع ترجمہ کے چھاپا اور اس کے شروع میں جو مقدمہ تحریر کیا ہے اس میں لکھا

"وہ لوگ جو چرخہ کی موجودہ تحریک پر یہ کہہ کر ہنستے ہیں اور قہقہہ لگاتے ہیں کہ "یہ تو مسٹر گاندھی کی ایجاد کردہ تحریک ہے مسلمان بھی ان کے پیچھے ہو لیئے" وہ یہ سمجھ لیں کہ جس چیز کو انھوں نے گاندھی جی کی ایجاد سمجھا ہے وہ درحقیقت ان کے گھر کی پرانی صنعت ہے جس کی تعلیم ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرمائی تھی جس چرخہ کو آج مسٹر گاندھی جی ہندوستان کے گھرانوں میں دیکھنے کی تمنا رکھتے ہیں مدینہ کی گلیوں میں ہم اس کی آواز تیرہ سو سال پہلے سے سنتے ہیں ہاں اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کو اس وقت ذرا غیرت کرنی چاہئے اور مسٹر گاندھی کا احسان ماننا چاہئے کہ وہ ان کو ان کے مذہبی احکام یاد دلاتے ہیں"

(چرخہ کی فضیلت چوتھا اڈیشن مطبوعہ عزیزی پریس آگرہ ص ۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دلچسپ و سبق آموز واقعہ | علاوہ بریں ان معاملات میں خود گاندھی جی کی افتادِ طبع یہ تھی کہ وہ جب کوئی اقدام کرتے تھے تو اپنے دل کی آواز کے علاوہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ وہ جو کام کرنے والے ہیں اس کا سرا کہیں کسی پیغمبر کی تعلیم میں بھی ملتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلہ میں اس واقعہ کا ذکر دلچسپی اور سبق آموزی دونوں کا باعث ہوگا کہ ۱۹۳۰ء میں جب انھوں نے قانون نمک کی خلاف ورزی کے لئے میلوں کا پیادہ پا سفر کر کے نمک بنانے کی مہم شروع کی اور اس میں جمعیۃ العلماء اور مسلمانوں نے دل کھول کر حصہ لیا تو اس زمانہ میں راقم الحروف حضرت الاستاذ مولانا انور شاہ اور ان کی جماعت کے ساتھ ڈابھیل ضلع سورت میں مقیم تھا اس سفر کے سلسلہ میں گاندھی جی ڈابھیل سے چند میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں سے جس کا نام اب یاد نہیں رہا گذرنیوالے تھے ہم لوگوں کو یہ اطلاع ہوئی تو سینکڑوں مقامی مسلمانوں کے ساتھ برادر محترم مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی نے بھی اس گاؤں میں پہونچکر گاندھی جی کے درشن اور ان سے ملاقات کا ارادہ کرلیا۔ ہرچند کہ اس زمانہ میں راقم الحروف کا مجموعۂ خیال ابھی ابھی فرد تھا" تاہم بانیٔ تحریک سے عقیدت اور تحریک کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ جوش زن تھا میں بھی ان دونوں کے ساتھ ہولیا۔ اللہ اکبر آج اس واقعہ کو ۹۱ سال ہونے کو آئے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کل کی بات ہے۔ یہ ایک بہت معمولی اور چھوٹا سا گاؤں تھا لیکن اس روز جنگل میں منگل ہو رہا تھا انسانوں کا ایک سمندر تھا جو وہاں اُبل پڑا تھا دوپہر کے بارہ بجے کے قریب گاندھی جی اس مقام پر کوچ کرتے ہوئے پہنچے دس گیارہ میل کی مسافت پاپیادہ طے کر کے آئے تھے مگر کیا مجال کہ تھکن اور تعب کا اثر ذرا بھی نمایاں ہو۔ جسم میں وہی چستی مستعدی چہرہ پر وہی مسکراہٹ اور مخلصانہ سنجیدگی۔ نگاہوں میں وہی عزم و ہمت اور استقلال و حوصلہ کی جھلک، پیشانی پر وہی عالی ظرفی اور فراخ دلی کی بشاشت اور تر و تازگی آتے ہی اپنی قیام گاہ میں داخل ہوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ملاقات کے کمرہ میں آکر بیٹھے تو ہم تینوں نے ان کو اپنی آمد کی اطلاع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرائی فوراً اندر بلا لیا اور باوجود اس کے کہ لوگوں نے ان کو گھیر رکھا تھا اور وہ چرخہ چلانے کے ساتھ ساتھ ہر ایک سے گفتگو بھی کرتے جاتے خطوط لکھواتے جاتے اور ورکرز کو ہدایات بھی دیتے جاتے تھے ہمارے بیٹھتے ہی ہم سے مخاطب ہوگئے خیریت دریافت کی۔ دیوبند اور ڈابھیل کے مدرسوں کے حالات پوچھے اور پھر فوراً بولے "میں نے کسی اخبار میں پڑھا ہے کہ مولانا انور شاہ صاحب نے اپنی کسی حال کی ہی تقریر میں ایک حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں پیغمبر صاحب نے فرمایا ہے کہ تین چیزوں پر ٹیکس نہیں لگایا جا سکتا پانی۔ گھاس اور نمک " تو کیا یہ واقعہ صحیح ہے اور ایسی کوئی حدیث موجود ہے ہماری طرف سے مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب نے اثبات میں جواب دیا اور کہا کہ ایک حدیث جس میں پانی اور گھاس کا ذکر ہے وہ تو عام کتابوں میں بھی ہے البتہ ہمارے استاد نے ایک اور سند سے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس میں نمک کا لفظ بھی ہے"، گاندھی جی یہ سنکر بڑے خوش ہوئے جیسے انھیں کوئی ایسی چیز مل گئی ہو جس کی انھیں دیر سے جستجو تھی اور فرمایا " تو مولوی صاحب! مجھ کو اب بڑی تقویت ہوگئی۔ آپ جب ڈابھیل واپس لوٹیں تو میں ایک اپنا آدمی آپ کے ساتھ کر دوں گا آپ مہربانی فرما کر حدیث کو مع اس کی سند اور کتاب و صفحہ کے حوالہ کے اصل عربی الفاظ اور اردو ترجمہ کے ساتھ نقل کر کے اس کو دے دیں میں بڑا شکر گذار ہوں گا " چنانچہ یہ شخص ہمارے ساتھ آیا اور یہ حدیث نقل کر کے لے گیا۔

پس ہندوستان کی جنگ آزادی کے سب سے بڑے ہیرو اور قائد (گاندھی جی) کا اور ساتھ ہی علمائے ہند کا سیاسی تحریک کو مذہبی اخلاقیات کی روشنی میں چلانا اور پروان چڑھانا ہندوستان کا ایک ایسا طغرائے امتیاز ہے جو اس کو دنیا کے دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے مقابلہ میں سرفراز و سربلند کر دیتا ہے اور جو اپنی اس اہم خصوصیت کے باعث مادیت کی اس تیرہ و تار دنیا میں ایک مشعلِ راہ کا کام دے سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پچھلے دنوں ملک میں مذہب کے نام پر جو قتل و غارتگری کی گرم بازاری ہوئی اس نے مذہب کو رسوا اور خوار کر دیا اور ہندوستان کی عظمتِ دیرینہ کی پیشانی پر ایک ایسا داغ لگا دیا ہے جو مشکل سے ہی مٹ سکتا ہے لیکن اس کا الزام مذہب کے سر لگانا انتہا درجہ کی بے عقلی ہے، مذہب کی مثال تو ایک تلوار جیسی ہے جس کی اہمیت اور ضرورت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا اگر کوئی پاگل بحرانِ جنون کے عالم میں اس سے خود اپنی یا اپنے کسی ساتھی کی گردن کاٹ دے تو کیا اس کے لئے تلوار کو موردِ الزام قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہاں! اس میں شبہ نہیں پچھلے دنوں مذہب کی یہ تلوار ناکردہ گناہ انسانوں کے خون سے رنگین ہو کر بہت کچھ بدنام ہوچکی ہے لیکن اگر مذہب کا مقصد انسانیت کی خدمت کرنا زمین سے شر و فساد کا قلع قمع کرنا ظالموں کے مقابلہ میں مظلوموں کی حمایت و دادرسی کرنا اور اپنا ہر کام خالقِ کائنات کی مرضی اور اس کے حکم کے مطابق انجام دینا ہے تو آج ہر شمشیر زن کا فرض ہے کہ وہ مذہب کی تلوار کو اس کے صحیح مقصد و منشا میں استعمال کر کے اس پر سے بے گناہوں کے خون کے دھبے مٹا دیتے اور اس کی بدنامی کو نیک نامی سے تبدیل کر دے۔ آخری قیام دہلی کے دوران میں ایک مرتبہ گاندھی جی نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ اب جبکہ ہندوستان آزاد ہوگیا ہے تو ہندو مذہب اور اسلام دونوں کے لئے یہ آزمائش کا وقت ہے، دونوں کو یہ بتانا ہوگا کہ وہ انسانی فلاح و بہبود کے لئے کیا کچھ کرسکتے ہیں" ہم بھی سمجھتے ہیں کہ ہاں بیشک اب وہ وقت آگیا ہے اور بحیثیت مسلمان ہونے کے اس حقیقت کا اعلان کرتے ہوئے ہمیں فخر محسوس ہوتا ہے کہ مذاہب کے اس دورِ ابتلا و آزمائش میں اسلام وہ سب کچھ پیش کرسکتا ہے جو انسان کی روحانی اخلاقی اور مادی زندگی کے ہر پہلو کو آسودہ و خوشحال کرنے کے لئے ضروری ہے اور جس کے بغیر انسانیت کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔

مذہبی تحریکات میں بھی ہندو مسلمانوں کا اشتراک | چونکہ گاندھی جی اور علمائے کرام کی متفقہ سیاسی جد و جہد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بنیاد باہمی مذہبی رواداری اور مذہبی اخلاقیات پر تھی جنہوں نے ہندو مسلمانوں کو اختلافِ مذہب کے باوجود ایک دوسرے کے درد و غم کا شریک اور معاون بنا دیا تھا اس بنا پر بعض ایسی تحریکیں جو خالص مذہبی تھیں اور جن کا تعلق اس ملک سے نہیں تھا ان میں بھی ہندو اور مسلمان دونوں ایک ساتھ نظر آتے تھے۔ مثلاً تحریک خلافت صرف مسلمانوں کی تحریک تھی اور اس کی بنیاد صرف وہ مذہبی رشتہ تھا جو مسلمانانِ ہند ترکوں کے ساتھ رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود جن لوگوں نے سنہ ۲۰ء کا زمانہ دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس تحریک میں ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کا کیسا ساتھ دیا مسلمان اس کو اچھی طرح محسوس کرتے تھے اور اپنے برادرانِ وطن کے شکر گزار تھے چنانچہ مولانا حافظ محمد احمد صاحب مرحوم دیوبندی جو مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح بانی دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادہ اور مدرسہ کے صدر مہتمم تھے اپنے ایک خطبہ میں اس طرح اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

"میں اپنے ان ہم وطن معاونوں کا جن میں ہندو اور سکھ سب داخل ہیں۔ شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے بلا خیال اختلاف مذہب مسلمانوں کے خالص مذہبی معاملات میں ہمدردی کی ہے اور نہ صرف زبانی ہمدردی بلکہ عملی شرکت کر کے اپنے آپ کو موردِ الزام بنایا ہے اور ملکی معاملات میں ہر قسم کی رواداری اور بلند نظری کے لئے آمادہ ہیں"

(خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علمائے روہیلکھنڈ منعقدہ ۴ ار دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء ص ۱)

مولانا طفیل احمد صاحب اس زمانہ کے متعلق اپنے تاثر کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں

"خلافت کانفرنس کا اجلاس اگرچہ صرف مسلمانوں سے مخصوص تھا مگر اس وقت وہ عجیب معجون مرکب بن گیا تھا اس میں ہندو اور مسلمان یکساں جوش کے ساتھ شریک تھے"

اسی سلسلہ میں ایک اور جلسہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"خلافت کانفرنس کا اجلاس ۱۴ر جنوری سنہ ۱۹۲۱ء کو بمقام ناگپور بصدارت مولانا عبد الماجد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدایونی منعقد ہوا کانگرس اور مسلم لیگ کے اجلاس بھی وہیں ہوئے تھے سب سے پہلی تحریک پنڈت رام بھجدت چودھری نے پیش کی جس کا منشا یہ تھا کہ جب تک خلافت کا مسئلہ طے نہ ہو صلح کی شرائط کی مخالفت کی جائے اور اپنی تقریر میں بیان کیا کہ خلافت کے مسئلہ میں ہندو برابر ساتھ رہیں گے۔ ڈاکٹر راجکمار چکرورتی (ڈھاکہ) نے اس تجویز کی تائید کی جو پاس ہوئی!!

(روشن مستقبل ص ۵۱۶)

صرف مذہبی آزادی | اس بحث کے آخر میں اس ایک امر کی طرف بھی توجہ دلانا۔ موضوع بحث کی اصل روح کو اجاگر کرنے کا سبب ہوگا کہ جب تک کانگرس میں رجعت پسند طبقہ کے اثر و رسوخ کی وجہ سے مسلمان چوکنے نہیں ہوئے تھے اور آزادی کے بعد حقوق کی تعین و تشخیص کی کشمکش پیدا نہیں ہوئی تھی علماء نے ملک کی آزادی کی جد وجہد میں پیش پیش رہنے کے باوجود اس زمانہ میں اگر کسی چیز اور اپنے کسی مطالبہ کا اظہار کیا تو وہ صرف مذہبی آزادی تھی یعنی یہ کہ ہندوستان کے آزاد ہو جانے کے بعد مسلمان اپنے مذہبی معاملات میں بالکل آزاد ہوں گے اور مذہبی آزادی سے مراد یہ تھی اور ہے کہ جو چیزیں فرض واجب اور مستحب ہیں ان کی بجا آوری وہ اسی طرح کریں گے اور جو چیزیں مباح ہیں ان کا کرنا نہ کرنا برابر ہے وہ اسی طرح رہیں گی۔ مثلاً گاؤ کشی نہ فرض ہے اور نہ واجب مسلمانوں کو اختیار ہے کہ گائے کا گوشت کھائیں یا نہ کھائیں تو مباحات میں آزادی کا مقصد یہ تھا کہ ان چیزوں کے اختیار ترک کرنے یا نہ کرنے کا دارومدار صرف مسلمانوں پر ہوگا اگر وہ خود کسی بڑی اور اہم مصلحت کے باعث اس کو ترک کرنا چاہیں تو اپنے جماعتی فیصلہ کے ذریعہ ایسا کر سکتے ہیں لیکن ملک کی حکومت کو جس میں بہرحال اکثریت غیر مسلموں کی ہوگی اس کو ہرگز یہ حق نہیں ہوگا کہ مسلمانوں کے جماعتی فیصلہ کے بغیر کسی مباح کو واجب یا ممنوع قرار دے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ اگر علماء کی سیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جد وجہد انگریزوں کے خلاف اسی مذہبی آزادی کو حاصل کرنے کے لئے تھی۔ تو یہ آزادی تو مسلمانوں کو انگریزی راج میں بدرجۂ اتم حاصل تھی۔ نماز روزہ۔ زکوٰۃ و حج وغیرہ پر کوئی قدغن نہیں تھی۔ جمعہ کے روز نماز کے وقت مسلمان ملازمین سرکاری کو نماز کے لیئے چھٹی ملتی تھی۔ حج کے لئے باسانی رخصت مل جاتی تھی اور پراویڈنٹ فنڈ میں سے یا پنشن سے روپیہ بھی مل جاتا تھا۔ گاؤ خوری پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ عدالتوں میں جج خالص اسلامی قوانین نکاح و طلاق کے مطابق فیصلے کرتے تھے ترکہ کی تقسیم اسلامی قانون وراثت کی روشنی میں ہوتی تھی۔ پھر آخر وہ کون سی مذہبی آزادی تھی جس کو حاصل کرنے کے لئے علمار بے تاب تھے؟

بات دراصل یہ ہے کہ مذہبی آزادی" سے علمار کی مراد ایک تو یہ تھی کہ برطانوی شہنشاہیت پر ضرب کاری لگائی جائے تاکہ ممالک اسلامیہ انگریزوں کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے جس اصل آزادی سے محروم ہیں انھیں وہ مل جائے اور ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہونے کی صورت میں مسلمان جو اپنے مذہبی احکام کے خلاف انگریزی فوج میں داخل ہو کر خود مسلمان حکومتوں سے لڑنے جاتے ہیں یہ سلسلہ ختم ہو اور مسلمانوں پر یہ جبر نہ ہو سکے علاوہ بریں علمار کی مراد مذہبی آزادی سے "مذہبی آزادی زیر حکومت وطنی" تھی انگریزوں نے جو مذہبی آزادی دے رکھی تھی وہ کیسی ہی کچھ ہو تاہم غیر کی دی ہوئی آزادی تھی اور کسی دوسرے کے پاؤں سے جنت میں داخل ہونے کا حکم رکھتی تھی۔ علما بحیثیت سچے محب وطن ہونے کے اس کو غیرت کے خلاف سمجھتے تھے۔

تحریک شیخ الہند پر ایک اعتراض یہاں تک ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا مقصد صرف تحریک شیخ الہند کے اصل منشا و مقصد اور اس کی اصل اسپرٹ پر روشنی ڈالنا تھا اب رہی یہ بات کہ یہ تحریک کس طرح چلائی گئی؟ ہندوستان کی سیاسی جد وجہد اور کانگرس پر اس کے کیا اثرات ہوتے؟ ملک کے بیدار کرنے میں اس تحریک کو کیا دخل ہے؟ اور اس تحریک کے علمبرداروں نے کس طرح اپنے مقصدِ عظیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی خاطر عظیم الشان قربانیاں پیش کیں؟ اب آئندہ صفحات میں ہم اس پر روشنی ڈالیں گے۔ لیکن اس موقع پر اتنا اور بتا دینا ضروری ہے کہ بعض لوگ اس تحریک کو غیر آئینی کہہ کر اس پر اعتراض کرتے ہیں ان سے یہ دریافت کرنا چاہتے کہ ۱۹۴۲ء میں کانگرس کی تحریک "ہندوستان چھوڑ دو" اور اس سے بھی قبل بیسویں صدی کے پہلے عشرہ میں تقسیم بنگال کو منسوخ کرانے کی تحریک یہ دونوں بھی غیر آئینی تحریکیں تھیں یا نہیں؟ اگر تھیں تو جو دلائل آپ ان کے جواز میں پیش کریں گے وہی ہماری طرف سے سمجھئے، پھر تحریک شیخ الہند اندرون ہند اور بیرون ہند اس طرح چلی کہ خود اس تحریک کے علمبرداروں نے دنیا بھر کی مصیبتیں، سختیاں، اور سزائیں اٹھائیں لیکن جس قوم کے خلاف یہ تحریک تھی اس کے کسی ایک فرد کی بھی نکسیر نہیں پھوٹی، اگر ایسا ہوتا تو کوئی عجوبہ بات نہ ہوتی۔ کیونکہ تنگ آمد بجنگ آمد" دنیا کا پرانا مقولہ ہے۔

(باقی آئندہ)

غلامان اسلام

(طبع دوم)

اسی سے زیادہ ان صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہا و محدثین اور ارباب کشف و کرامات کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل کے بیان پر پہلی عظیم الشان کتاب جس کے پڑھنے سے غلامانِ اسلام کے حیرت انگیز شاندار کارناموں کا نقشہ آنکھوں میں سما جاتا ہے ۴۰۰ صفحات بڑی تقطیع قیمت مجلد ۶ غیر مجلد پانچ روپے آٹھ آنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نباتات اور جمادات میں زندگی اور شعور

(از جناب میر ولی اللہ صاحب ایڈوکیٹ ایبٹ آباد)

یاد نہیں کیوں اور کس بنا پر لیکن سکول کے وقت سے میرا یہ عقیدہ رہا ہے کہ:۔

الف ۔ جو چیز موجود ہے وہ زندہ ہے اور

ب ۔ جو چیز زندہ ہے وہ صاحبِ شعور ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہر ایک چیز میں زندگی اور شعور کے ارتقا کے منازل و مدارج علیحدہ ہیں۔

گویا میرے نزدیک وجود ۔ زندگی اور شعور ہم معنی حقیقتیں ہیں یا ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں۔

کچھ عرصہ ہوا مجھے گیتا کی اردو شرح لکھنے کا خیال آیا۔ اس غرض سے میں نے تین چار سال سنسکرت پڑھی اور کچھ شُد بُد حاصل ہو جانے پر مختلف تراجم و شروح کی مدد سے شرح لکھنی شروع کر دی۔ اس سلسلے میں مجھے مختلف مذہبوں اور فلسفوں کے مقابلے کا بھی موقع مل گیا۔

اس شرح کے دوران میں مجھے اپنے پرانے عقیدے کی ایک واضح اور یقینی تائید مل گئی۔

گیتا کے ادھیائے (۱۳) شلوک ۲۶ کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے:۔

"اے بھارت خاندان کے بہترین فرد (یعنی اے ارجن) جان لے کہ جو کوئی ہستی بھی کہ پیدا ہوئی ہے۔ غیر متحرک یا متحرک۔ وہ کشیتر اور کشیتر گیہ کے ملاپ سے (پیدا ہوئی) ہے"

یعنی تمام مخلوقات حرکت کرنے والی اور حرکت نہ کرنے والی سب پر کرتی اور پرش کے ملاپ

© rasailojaraid.com